© rasailojaraid.com

حکیم محمود احمد ظفر (دوسری و آخری قسط)

سید عطاء المحسن بخاریؒ سے میرے تعلقات

امام العصر مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا قادیانیت کے بارے میں نظریہ:

مسئلہ ختم نبوت کا انکار کفر کی سرحدوں کو چھوتا ہے۔اسی وجہ سے تمام علماء اسلام نے ختم نبوت کے منکر کو کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔مرزا غلام احمد نے ۱۸۹۷ء میں کچھ علماء کو نام لے کر مباہلہ کی دعوت دی۔ان میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا نام پانچویں نمبر پر ہے۔مرزا نے حضرت گنگوہیؒ پر بڑے غیظ وغضب کا اظہار کیا۔حضرت گنگوہیؒ کے ایک نہایت عقیدت منداوران کے شاگرد حضرت مولانا محمود حسن کے شاگرد علامہ انور شاہ کشمیریؒ تھے۔انہوں نے اس فتنہ کی اہمیت کو محسوس کیا اوراس کے استیصال اور بیخ کنی کا بیڑا اٹھایا۔حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے سیاسی ،فکری اور علمی ہر سطح پر کام شروع کیا اور راسخ العلم علماء کی ایک جماعت تیار کی جن میں سرفہرست حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ،محدث شہیر مولانا سید بدر عالمؒ،حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ جیسے جید اور ثقہ عالم تھے۔دوسری طرف خطیبِ اسلام سید عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے آتش بیان اور شعلہ نوا مقرر کی سرپرستی میں مقررین اور خطباء کی ایک ٹیم تیار کی جن میں حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ،قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ،حضرت مولانا محمد حیاتؒ،حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور حضرت مولانا گل شیر خانؒ جیسے بے باک اور نڈر حضرات قابل ذکر ہیں۔چنانچہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا موضوع فکر یہ تھا کہ جس طرح مجلس احرار ہندوستان کو انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے آزاد کرانے کی جدوجہد کررہی ہے،اسی طرح وہ مسلمانوں کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت بھی کرے گی۔چنانچہ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اوران کی جماعت نے امت مسلمہ کو انگریز کے اس خودکاشتہ پودے کے شر سے بچانے کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کردیں اور آج تک صرف کررہی ہے۔امام العصر علامہ انور شاہؒ نے تیسری طرف عالم اسلام کے مشہور مفکر اور شاعرِ اسلام علامہ محمد اقبالؒ اور بابائے صحافت مولانا ظفر علی خانؒ کو اس فتنے کی سنگینی کی طرف متوجہ فرمایا۔جنہوں نے نظم ونثر اور فکر ونظر کے ہر طریقہ سے ملک کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو اس فتنہ سے خبردار کیا۔علامہ اقبالؒ نے تو انگریزوں کے اس دور ہی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا (جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا جاچکا ہے) اور اس بارہ میں انگریزی اور اردو اخبارات میں مضامین بھی لکھے۔حضرت مولانا ظفر علی خانؒ جیسے بے باک اور نڈر صحافی ،آتش بیان مقرر اور قادر الکلام شاعر نے پورے ہندوستان میں اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور مرزا بشیر الدین اور اس کے مرتد باپ مرزا غلام احمد کی اصلی حقیقت کو لوگوں کے سامنے عیاں کیا اور لوگوں کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت کے جذبات ابھارے۔

علامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علامہ انور شاہؒ نے کئی دفعہ فرمایا کہ جب میں نے اس فتنہ کے استیصال اور سرکوبی کے لیے قدم اٹھایا تو چھ ماہ تک مجھے پریشانی کی وجہ سے نیند نہیں آئی۔میں نے دعائیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیں اور استخارے کیے۔ آخر چھ ماہ کے بعد یہ تسلی دی گئی کہ یہ فتنہ ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ اس تسلی کے بعد پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے خود بھی اس بارہ میں کتابیں لکھیں اور اپنے شاگردوں کو بھی اس کی سرکوبی کے لیے ہدایات دیں۔

امام المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ مرزا غلام احمد کا کفر فرعون کے کفر سے بڑھ کر ہے کیونکہ فرعون نے الوہیت (خدا ہونے) کا دعویٰ کیا تھا اور ظاہر ہے کہ کسی انسان کا خدائی کا دعویٰ کرنا بدیہی طور پر باطل ہے۔ اور کسی انسان کے ایسے دعویٰ کے باطل ہونے پر کسی کو کوئی التباس نہیں ہو سکتا۔ اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام جنسِ بشر سے ہوتے ہیں۔ اس سے لوگوں کو التباس ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کسی شخص کا دعویٰ نبوت کرنا اور پھر یہ کہتے پھرنا کہ میری نبوت ظلی اور بروزی ہے اور حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت کے باوجود میری نبوت ممکن ہے لوگوں کو اس سے دھوکہ میں ڈالا جا سکتا ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ اس دھوکہ میں مبتلا ہو کر اپنے ایمان سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔

امام العصر علامہ انور شاہ کاشمیریؒ نے صرف تقریر و تحریر سے اس فتنہ کا مقابلہ نہیں کیا بلکہ جہاں بھی اس سانپ نے سر نکالنا چاہا، حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے شاگرد اس کا سر کچلنے کے لیے وہاں موجود پائے گئے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مقدمہ بہاول پور ایک مشہور واقعہ ہے، جس میں حضرت علامہ انور شاہ نے قانونی طور پر اس فرقہ کو غیر مسلم قرار دلوایا جس کی اجمالی تصویر کچھ یوں ہے۔

پہلی بار قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دیئے گئے:

ریاست بہاول پور کی تحصیل احمد پور شرقیہ میں ایک شخص مسمی عبدالرزاق قادیانی ہو گیا۔ اس کی منکوحہ مسمات غلام عائشہ بنت مولوی الٰہی بخش نے سن بلوغ کو پہنچ کر جولائی ۱۹۲۶ء کو اس بنا پر فسخ نکاح کا دعویٰ احمد پور شرقیہ کی مقامی عدالت میں دائر کر دیا کہ اس کا خاوند قادیانی ہونے کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہے۔ یہ دعویٰ ۱۹۳۱ء تک ابتدائی مراحل طے کر کے پھر ۱۹۳۲ء میں ڈسٹرکٹ جج بہاول پور کی عدالت میں بغرض شرعی تحقیق واپس ہوا۔ بہاول پور کی ریاست ایک اسلامی ریاست تھی اور اس کے والی نواب صادق محمد خان خامس عباسی مرحوم ایک سچے مسلمان اور عاشق رسول تھے۔ اس وقت جامعہ عباسیہ بہاول پور کے شیخ الجامعہ حضرت مولانا غلام محمد گھوٹویؒ تھے جو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ کے ارادت مند تھے۔ حضرت مولانا غلام محمد گھوٹویؒ نہ صرف ایک جید عالم بلکہ علمی دنیا کے نشیب و فراز سے بھی خوب آشنا تھے۔ ان کی نگاہِ بصیرت میں اس مقدمہ کی پیروی اور امت مسلمہ کی طرف سے عدالت میں نمائندگی کے لیے امام العصر حضرت علامہ انور شاہؒ سے بہتر اور کوئی آدمی نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے علامہ کشمیریؒ کو اس مقدمہ میں علماء کی نمائندگی کے لیے خصوصی دعوت دی۔ اپنے تمام پروگرام منسوخ کر کے حضرت علامہ کشمیریؒ بہاول پور تشریف لائے۔ آپ کے تشریف لانے سے پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی توجہ اس مقدمہ کی طرف مبذول ہو گئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا بہاول پور آنا تھا کہ بہاول پور میں علمی موسم بہار شروع ہو گیا۔ قادیانیوں نے ان حضرات علماء کرامؒ کے آئینی گرفت اور احتسابی شکنجہ سے بچنے کے لیے ہزاروں جتنے کیے لیکن وہ بچ نہ سکے۔ اس مقدمہ میں آپ کے ساتھ آپ کے شاگردِ رشید حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندیؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ، حضرت مولانا نجم الدین صاحبؒ لاہور اور حضرت مولانا ابوالوفاء شاہ جہان پوریؒ وغیرہ تھے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سرکارِ دوعالم ﷺ کے جلال و جمال کا حسین امتزاج تھے۔ آپ جب جمال میں آ کر قرآن وسنت کے دلائل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتے تو عدالت کے درودیوار جھوم اٹھتے اور جب جلال میں آکر قادیانیت کو للکارتے تو کفر کے ایوانوں میں زلزلہ طاری ہو جاتا۔اس بات کی ایک زندہ مثال یہ ہے کہ ایک روز عدالت میں امام العصر حضرت شاہ صاحبؒ نے قادیانی پادری جلال الدین شمس کو للکار کر فرمایا: ''اگر تم چاہو تو میں عدالت میں یہیں کھڑے ہو کر دکھا سکتا ہوں کہ مرزا غلام احمد جہنم میں جل رہا ہے۔'' حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ کہنا تھا کہ قادیانیوں کے چہرے مرجھا گئے اور مسلمانوں کے چہروں پر خوشی اور بشاشت کی صبح نمودار ہوگئی اور اہل دل نے یہ محسوس کیا کہ عدالت میں علامہ انور شاہؒ نہیں بلکہ سرکارِ مدینہ ﷺ کا وکیل اور نمائندہ بول رہا ہے۔**فبهت الذی کفر**.

اس مقدمہ کی سماعت مکمل ہو جانے کے بعد علامہ انور شاہؒ جب واپس دیو بند تشریف لے جانے لگے تو حضرت مولانا مفتی محمد صادقؒ اور دیگر علماء کو فرمایا کہ مقدمہ کا فیصلہ اگر میری زندگی میں ہو گیا تو میں خود سن لوں گا اور اگر یہ فیصلہ میری وفات کے بعد ہوا تو میری قبر پر آکر سنا دینا۔(یہ جملہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس لیے فرمایا کہ آپ اس زمانہ میں بڑے سخت بیمار تھے۔چنانچہ آپ نے اپنا بیان بھی عدالت میں کرسی پر بیٹھ کر دیا اور آپ کے اس جملہ سے پتا چلتا ہے کہ آپ بھی سماع موتی کے قائل تھے) حضرت شاہ صاحبؒ کی واپسی کے بعد ان کی جلد وفات ہوگئی۔مقدمہ کا فیصلہ ۷رفروری ۱۹۳۵ء کو ہوا اور حضرت مولانا مفتی محمد صادق صاحبؒ خصوصی طور پر دیو بند گئے اور حضرت شاہ صاحبؒ کی قبر پر کھڑے ہو کر یہ فیصلہ سنایا جو الحمدللہ مسلمانوں کے حق میں ہوا۔اس فیصلہ کا ایک ایک حرف قادیانیت کے تابوت میں کیل کی طرح پیوست ہو گیا۔قادیانی اس فیصلہ کی اپیل میں نہ گئے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ہائی کورٹ میں یہ فیصلہ بحال رہے گا اور ہائی کورٹ کا فیصلہ قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔چنانچہ وہ محمد اکبر سیشن جج کے فیصلہ کو زہر کا گھونٹ سمجھ کر پی گئے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو قادیانی فتنہ کے بارہ میں کتنی فکر تھی۔آپ کی اس بارہ میں فکر و پریشانی کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جو آپ کے ایک مایہ ناز شاگرد حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ نے بیان فرمایا کہ جب حضرت شاہ صاحب اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو تشریف لے جا رہے تھے اور آپ پر مرض کا شدید حملہ تھا۔نقاہت اور کمزوری بہت زیادہ تھی۔چلنے کی طاقت بالکل نہ تھی اور ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ شاہ صاحبؒ اب اس دنیا میں چند گھنٹوں کے مہمان ہیں۔اس حالت میں آپ نے فرمایا کہ مجھے دارالعلوم دیو بند کی مسجد میں پہنچا ئیں۔آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے ایک پالکی لائی گئی کیونکہ ایسی حالت میں اور کوئی طریقہ آپ کو مدرسہ میں لے جانے کا نہ تھا۔چنانچہ پالکی میں بٹھا کر آپ کو دارالعلوم کی مسجد میں پہنچایا گیا۔مسجد کی محراب میں آپ کے لیے جگہ بنائی گئی اور وہاں پر آپ کو بٹھایا گیا۔حضرت شاہ صاحبؒ کی آواز ضعف اور نقاہت کی وجہ سے نہایت مضمحل اور ضعیف تھی۔آپ کے تمام اجل شاگرد اور مدرسہ کے اساتذہ اردگرد ہمہ تن گوش تھے۔اس حالت میں آپ نے اساتذہ اور تلامذہ کو دو باتیں ارشاد فرمائیں:

(۱)　پہلی بات یہ ارشاد فرمائی کہ میں نے جس قدر تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ اسلام میں گزشتہ چودہ سو سال میں جس قدر فتنے پیدا ہوئے، ان میں سب سے زیادہ سنگین اور خطرناک فتنہ قادیانیت کا فتنہ ہے۔

(۲)　دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ جو شخص اس فتنہ کے استیصال کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے رسول اللہ ﷺ اس شخص کے دوسرے اعمال کی نسبت اس کے اس عمل سے زیادہ خوش ہوں گے۔پھر آخر میں جلال میں آکر فرمایا کہ ''جو کوئی اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فتنہ کی سرکوبی کے لیے اپنے آپ کو وقف کردے اس کی جنت کا میں ضامن ہوں۔“

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور قادیانیت کی سرکوبی:

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ دونوں سے تعلق تھا۔ علامہ انور شاہؒ سے تو عقیدت و احترام کا رشتہ استوار تھا اور حضرت شاہ صاحب ہی نے امیر شریعت کو ان کی خطابت کی وجہ سے اس کام پر مامور کیا تھا کہ وہ قادیانیت کے عقائد فاسدہ و باطلہ سے عوام و خواص کو اپنی تقریروں کے ذریعے روشناس کرائیں۔ چنانچہ حضرت امیر شریعتؒ نے اپنی ٹیم کے ساتھ قادیانیت کے خلاف نعرۂ رستاخیز بلند کیا۔ حضرت امیر شریعت نے علامہ انور شاہؒ کی زیر ہدایت مبلغین کی ایک ایسی جماعت تیار کی جس نے قادیانیت کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ وقت کے نام ور علماء کو حضرت امیر شریعتؒ کی ان خدمات کا ہمیشہ اعتراف رہا۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے تھے: ”شاہ جیؒ کی باتیں تو عطاء الٰہی ہوتی ہیں۔“ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا ارشاد ہے: ”شاہ جی! آپ تو اسلام کی مشین ہیں۔“ غرض کہ ایک خطیب میں جس قدر خوبیاں ہونی چاہئیں وہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امیر شریعتؒ میں رکھی تھیں۔ کہنے والوں نے تو یہاں تک ان کے بارہ میں کہا اور بالکل سچ کہا کہ ”رعد کی گونج، بادل کی گرج، ہوا کا فراٹا، فضا کا سناٹا، صبح کا اجالا، چاندنی کا جھالا، ریشم کی جھلملاہٹ، ہوا کی سرسراہٹ، گلاب کی مہک، سبزے کی لہک، آبشار کا بہاؤ، شاخوں کا جھکاؤ، طوفان کی کڑک، سمندروں کا خروش، پہاڑوں کی سنجیدگی، صبا کی چال، اوس کا نم، چنبیلی کا پیرہن، تلوار کا لہجہ، بانسری کی دھن، عشق کا بانکپن، حسن کا اغماض اور کہکشاں کی مسجع و مقطع عبارتیں انسانی آواز میں ڈھلتے ہی خطابت کی جو صورتیں اختیار کرتی ہیں اس کا جیتا جاگتا مرقع شاہ جی تھے۔

قادیانیت کے خلاف کام کا آغاز و اختتام:

۱۹۲۰ء میں امیر شریعتؒ نے قادیانیت کو للکارا۔ پھر ۱۹۲۵ء میں شاہ جیؒ نے مرزائیت کے خلاف اپنے جذبات کا کھلم کھلا اظہار فرمایا۔ لیکن ان اوقات میں آپ کی یہ للکار انفرادی حیثیت رکھتی تھی۔ پھر ۱۹۳۱ء میں مجلس احرار اسلام نے جب قادیانیت کا محاسبہ کیا تو اس وقت شاہ جیؒ کی للکار انفرادی نہیں تھی بلکہ ان کی پشت پر ان کے لاکھوں ارادت مندوں اور رضا کاروں کی قوت تھی۔ مجلس احرار نے قادیان میں اپنا دفتر قائم کیا۔ یہ ۱۹۳۳ء کی بات ہے۔ ۲۱، ۲۲ اور ۲۳ راکتوبر ۱۹۳۴ء کو قادیان میں شاہ جیؒ کی صدارت میں پہلی تبلیغی کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ قادیان میں سب سے پہلی احرار کانفرنس تھی۔ مرزائیوں نے اس کانفرنس کے رکوانے کے لیے بہت کوشش کی۔ اپنے آقا برطانیہ کے حضور بہت واویلا کیا۔ چنانچہ حکومت نے قادیان کی میونسپل حدود میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی۔ حکومت کے اس رویہ نے احرار رہنماؤں اور رضا کاروں کو ایک نیا ولولہ دیا۔ پنجاب کے مختلف شہروں سے احرار رضا کار جوق در جوق پہنچنے شروع ہو گئے۔ لاہور، لدھیانہ اور امرتسر سے جب ٹرینیں قادیان پہنچیں تو احرار کے سرخ جھنڈے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ شاہ جیؒ قادیان ریلوے اسٹیشن سے ہزاروں رضا کاروں کے جلو میں پیدل پنڈال میں پہنچے تو فلک سے فرشتے بھی ختم نبوت کے ان جیالوں کو جھانک رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جنگ یمامہ کے مجاہدین مسیلمہ پنجاب کی سرکوبی کے لیے جمع ہو گئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قادیان کی اس کانفرنس میں آپ نے جو تقریر فرمائی' اس کی مقناطیسی کشش کا اعتراف مسٹر جی۔ڈی کھوسلہ نے اپنے فیصلہ میں کیا ہے۔اس ٹکڑے ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر شریعت نے کس طرح اپنے جذبات کا اظہار فرمایا۔آپ نے فرمایا:

''وہ (مرزا محمود) نبی کا بیٹا ہے۔میں نبی کا نواسہ ہوں۔وہ آئے اور مجھ سے اردو، پنجابی اور فارسی میں ہر معاملہ سے متعلق بحث کرے۔یہ جھگڑا آج ہی طے پا جاتا ہے۔وہ پردے سے باہر نکلے، نقاب اٹھائے، کشتی لڑے، مولا علی کے جوہر دکھائے، ہر رنگ میں آئے، وہ موٹر میں بیٹھ کر آئے، میں ننگے پاؤں آؤں گا، وہ حریر و پرنیاں پہن کر آئے میں موٹا جھوٹا پہن کر آؤں گا، وہ مزعفر کباب، یا قوتیاں اور اپنے ابا کی سنت کے مطابق پلومر کی ٹانک وائن پی کر آئے، میں نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھا کر آؤں گا......ہمیں میدان ہمیں گو۔''

امیر شریعتؒ کی اس للکار نے مرزا غلام احمد کی جھوٹی نبوت کے ایوان میں زلزلہ پیدا کر دیا۔آسمان نے ستاروں کو رات بھر جاگنے کی تاکید کر دی۔رات نے حاضرین پر اپنے بال پھیلا دیئے۔چاند ستاروں کے کان میں کہہ رہا تھا کہ محمد عربی کے اس شیدائی کی بات کو پوری توجہ سے سنو۔امیر شریعت گویا ہوئے تو کفر گوش بر آواز تھا۔امیر شریعت کے پیچھے بیٹھے ہوئے مفتی محمد حسن قدس سرہٗ اور دوسرے بزرگوں کی دعائیں شامل تھیں فرشتے ''اللھم ایدہ بروح القدس'' کی صدائیں بلند کر رہے تھے۔فجر کی اذان کے ساتھ جونہی امیر شریعت کی تقریر ختم ہوئی تو خلیفہ قادیان مرزا بشیر الدین کے ایوان خلافت میں ایک ارتعاش پیدا ہو گیا۔

حضرت امیر شریعتؒ نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی ہدایت کے مطابق اپنی پوری زندگی مرزائیت کی سرکوبی میں گزار دی اور صرف ایمان کو زادِ راہ بنا کر عزم وارادے کے پیرہن میں گھر سے نکلے۔زندگی کے اس طویل سفر میں قدم قدم پر سنگلاخ وادیوں میں سے گزرے۔بادِسموم کے تندو تیز جھونکے کھائے لیکن آپ کے عزم واستقلال کی دیوار میں معمولی سا بھی شگاف پیدا نہ ہوا۔

امیر شریعتؒ کی اولاد بھی مرزائیت کے خلاف سینہ سپر ہو گئی:

باپ نے جن سنگلاخ وادیوں میں قدم رکھا' بیٹے بھی انہیں وادیوں میں پوری زندگی چہل قدمی کرتے رہے اور اب تک کر رہے ہیں۔اور ان تمام موڑوں اور صعوبتوں سے انہوں نے بھی آشنائی حاصل کی جہاں کبھی یا تو آبلہ پا ہو کر گزرنا پڑتا ہے یا پھر دامن تار تار کروانا پڑتا ہے۔آپ کی اولاد کی بھی یہی حالت تھی کہ:

پاؤں کے چھالوں سے کانٹوں کی بجھائی میں نے پیاس
جس طرف کو میں چلا گویا کہ مے خانہ چلا

انہوں نے پوری زندگی دستِ الٰہی میں ایک بے جان آلہ بن کر اپنی محبت اور دشمنی کو راہِ خدا میں وقف کر دیا۔ جو خدا کے دوست ان کے یہ دوست رہے اور جو اس کے دشمن تھے وہ ان کے دشمن تھے۔

میں نے اپنی ۳۲ سالہ دوستی میں سید عطاء المحسن بخاری نور اللہ مرقدہٗ کو دیکھا کہ سیدنا نوح علیہ السلام کی طرح عصیان و نافرمانی سے بندگانِ خدا کو روکا۔انہوں نے اپنے والد کی طرح اپنی ساحرانہ خطابت سے انگریز کی معنوی اولاد کو پیغامِ حق سنایا۔فرضی پیروں اور مصنوعی گدیوں کے خرابات کو مسمار کیا۔ان کے ماننے والوں کے عقیدوں کو توحید الٰہی میں راسخ کیا۔غریبوں کی عزت نفس کی حفاظت کی۔ان میں چھوت چھات کو ختم کیا۔گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ جا کر ان میں عشق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول ﷺ کا جذبہ بیدار کیا۔قادیانیت کے قلب یعنی ربوہ میں جس کو اب ''چناب نگر'' کہتے ہیں' قادیانیت کے غلیظ چہرے کو بے نقاب کیا۔''نقیبِ ختم نبوت'' کے ذریعہ سے ان کے دلائل کا ابطال کیا۔دن رات اسی دھن میں گزارے کہ پاکستان کی سرزمین میں کلمۂ حق بلند ہو۔راتوں کو سفر کیے،دن کے اجالوں میں ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں گئے اور لوگوں کو نبی اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق اسلام کی دعوت دی۔اس مقصد کے لیے راتوں کی نیندیں اور دن کا چین حرام کیا۔سفر کی صعوبتیں برداشت کیں،لوگوں کے طعنے سنے لیکن امام اہل سنت حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی طرح ہر ظالم وجابر حاکم کے سامنے کلمۂ حق سنایا اور اپنی صدائے رعد آسا کو بلند کیا۔احیائے شریعت،نفاذِ شریعت،امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے اپنے وجود کو وقف کر دیا۔اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کے اس پیغام کو پاکستان کے ہر ہر گاؤں اور قریہ میں پہنچایا جس میں انہوں نے کہا تھا:

''اگر قیامت کا آنا حق ہے اور یہ جھوٹ نہیں کہ خدا کا وجود ہے تو مسلمانانِ عالم کے پاس اس وقت کیا جواب ہوگا جب قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ تم کروڑوں کی تعداد میں زندہ وسلامت موجود تھے۔تمہارے جسموں سے روح کھینچ نہیں لی گئی تھی۔تمہاری قوتوں کو سلب نہیں کرلیا گیا تھا۔تمہارے کان بہرے نہ تھے،نہ ہاتھ کٹے ہوئے اور پاؤں لنگڑے تھے پھر تمہیں کیا ہو گیا تھا کہ تمہارے سامنے بھائیوں کی گردنوں پر دشمنوں کی تلواریں چل گئیں،وطن سے بے وطن اور گھر سے بے گھر ہو گئے،اسلام کی آبادیاں غیروں کے قبضہ وتسلط سے پامال ہو گئیں،پر نہ تمہارے دلوں میں جنبش ہوئی،نہ تمہارے قدموں میں حرکت ہوئی،نہ تمہاری آنکھوں نے محبت وماتم کا ایک آنسو بخشا اور نہ تمہارے خزانوں پر سے بخل وسرپرستی کے قفل ٹوٹے۔تم نے چین وآرام کے بستروں پر لیٹ لیٹ کر بربادی ملت اور پامالی اسلام کا یہ خونیں تماشا دیکھا اور اس بے درد تماشائی کی طرح بے حس وحرکت تکتے رہے جو سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر ڈوبتے ہوئے جہازوں اور بہتی ہوئی لاشوں کا نظارہ کر رہا ہو۔'' (مسئلہ خلافت۔ص ۱۵۸)

محسن شاہ صاحبؒ نے ''خبریں'' کے کالموں میں پاکستان کی پوری ملت کو یہ پیغام سنایا،سیاست دانوں کو لتاڑا،ان کی چوریوں اور غاصبانہ کارروائیوں کو بے نقاب کیا،علماءِ سوکی کارستانیوں کو حسرت وافسوس کے ساتھ بیان کیا۔اپنی پوری کوشش کی کہ ملت کے بخت خفتہ کو بیدار کرے،ان کے سوءِ فہم پر ماتم کیا۔وہ ہر منزل پر رکا،ہر مقام کو دیکھا بھالا،لیکن اس کا دل کہیں اٹکا نہیں۔فقیہ ومحتسب سے ملا لیکن اپنے دل کا مداوا کہیں نہ پایا،الحمدللہ ثم الحمدللہ جو فرض خلاق عالم کی طرف سے اور رسول اللہ ﷺ کی ذریت ہونے کی وجہ سے اس کے سپرد تھا۔اس سے عہدہ برآ ہونے میں ان کے دل نے کبھی کوتاہی نہیں کی۔انہوں نے صرف ماضی کی داستان سرائی نہ بلکہ مستقبل کی منزل کا پتا بھی دیا۔

میں نے دیکھا کہ نئی تعلیم کے رنگ میں رنگے ہوئے لوگوں کی مجلس میں جاتے تو نقد ونظر کی نگاہیں اٹھتیں۔بعض چہروں پر خندۂ استہزا پھیل جاتا۔بعض لوگ مجسم طعن وتشنیع بن جاتے۔بعضوں کے ہونٹوں پر قہقہے ابھر آتے۔کچھ تنقیدی چہروں سے ہلکی سی مسکراہٹ جھانکنے لگتی کہ یہ فقیر بے نوا اور مرد درویش کیا بات کرے گا لیکن جونہی عطاء المحسن بخاریؒ نے اپنے ابا کی طرح خطبہ پڑھا اور گونج دار آواز میں حاضرین کو مخاطب کیا تو تمام سننے والے انگشت بدنداں رہ جاتے۔دلچسپ تمثیلات،خوشگوار لطائف،گراں قدر مثالیں،پھلجھڑیوں کی طرح بکھرتی چلی جاتیں۔گلے میں رس،آواز میں لوچ،چہرے پر طنطنہ،مضمون پر اعتماد،لوگوں کو ہنساتے بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور رلاتے بھی۔ ایک رنگ کے مضمون کو سو رنگ سے باندھتے۔ گویا پورا مجمع اپنے ابا مرحوم کی طرح مٹھی میں ہوتا۔

مشاطۂ فطرت نے آپ کو کچھ اس انداز سے سنوارا تھا کہ آپ جہاں بیٹھ جاتے' بہاریں آپ کے قدم لیتیں' گل و گلزار کھل جاتے' کئی انجمنیں ان کے اپنے وجود میں تھیں۔ وہ مسکراتے تو آسمان سے بجلیاں کوندجاتیں' ان کی پیشانی پر بل آتا تو قصر مرزائیت کانپ اٹھتا' ستارے رات بھر قندیلیں لیے ان کی محفل کو دیکھنے میں سعادت سمجھتے اور اگر وہ شمع دل فروزاں کرتے تو پروانے وہاں بھی اکٹھے ہو جاتے۔ زندگی کے آخری ایام میں لاہور کے دفتر میں کئی دفعہ جانا ہوا۔ اگرچہ بیماری نے نہایت مضمحل کر دیا تھا لیکن زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی میں کوئی فرق نہ تھا۔ ہر ملنے والے کا استقبال نہایت خندہ پیشانی سے کرتے۔ آواز میں وہی گرج اور لوچ' مختلف مسائل پر گفتگو بڑے زور شور سے کرتے' جمہوریت کے سخت خلاف تھے۔ پاکستان کے نظام کی ساری خرابی کا مورد اسی جمہوریت کو قرار دیتے۔ فرماتے تھے کہ معلوم نہیں علماء نے جمہوریت کو اسلام میں کیسے داخل کر دیا۔

۱۹۷۱ء میں احقر' حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی کی معیت میں ملتان گیا۔ اس زمانہ میں بھٹو صاحب نے اسلامی سوشلزم کا نعرہ بلند کیا تھا۔ کسی پوچھنے والے نے پوچھا کہ کیا اسلام میں سوشلزم ہے؟ فرمایا: اگر اسلامی جمہوریت ہے تو اسلامی سوشلزم کیوں نہیں ہو سکتا؟ مقصد یہ تھا کہ اسلام میں نہ تو سوشلزم ہے اور نہ ہی جمہوریت۔ اسلام کثرت رائے کا قائل نہیں بلکہ قوت دلیل کا قائل ہے۔

میں نے ''فتنۂ جمہوریت'' کے نام سے جب کتاب لکھی تو کتاب کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور فرماتے کہ مجھے اپنا ایک ہم نوا مل گیا۔ مجھ سے دو سو کتاب اپنے ساتھیوں کو دینے کے لیے منگوائی۔ اس کے بعد ہر ماہ دیکھتا تھا کہ ''نقیبِ ختم نبوت'' میں آپ کی اکثر تحریریں اسی جمہوریت کے خلاف ہوتیں۔ ایک دو مرتبہ تو جمہوریت کے خلاف کانفرنس بھی کروائی اور ایک اور کانفرنس کی تاریخ کا اعلان خود اپنی زندگی میں کیا لیکن موت کے آہنی ہاتھوں نے اس میں شمولیت کی اجازت نہ دی۔

اصول کے معاملہ میں بڑے سخت تھے۔ اصول کے معاملہ میں بھی جب بگڑ جاتے تو دوست کو بھی دشمن بنا لیتے۔ اکثر فرماتے کہ محبت اور اصول کی دنیا میں پرورش پانے والا شخص ریت کی دیوار پر اپنے دعویٰ کا اعلان کرتا ہے۔

جس طرح آپ کو انگریز سے نفرت تھی' اسی طرح انگریز کی ہر شے سے نفرت تھی۔ زندگی کے آخری ایام میں وحدت روڈ لاہور کے دفتر میں صاحب فراش تھے تو ہومیوپیتھک ادویات کا استعمال تھا۔ دوستوں کی خواہش تھی کہ کسی ایلوپیتھک اسپیشلسٹ کو دکھایا جائے۔ چنانچہ ایک ڈاکٹر صاحب سے وقت لیا گیا۔ مغرب کے بعد وہ دوست تشریف لائے۔ میں بھی دفتر میں موجود تھا۔ انہوں نے کہا: ''حضرت! صبح دس بجے کا فلاں ڈاکٹر صاحب سے ٹائم لیا ہے' لہٰذا صبح آپ کو وہاں چلنا ہے۔'' بس بگڑ گئے۔ فرمایا: ''مجھے ان انگریزی دواؤں سے بچاؤ۔'' بہرحال میرے سمجھانے پر بڑی مشکل سے راضی ہوئے لیکن انگریزی علاج کئی روز تک کروانے کے باوجود افاقہ نہ ہوا۔ ایک روز احقر اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی مدظلہ عیادت کے لیے گئے۔ مولانا اشرفی نے پوچھا: ''شاہ صاحب کو کونسا فروٹ پسند ہے؟'' میں نے کہا: ''خربوزے۔ اور ڈاکٹر نے خربوزے کھانے کے لیے کہا ہے۔'' مولانا اشرفی نے دس کلو خربوزے لیے اور ہم شاہ صاحب کی عیادت کے لیے گئے۔ مولانا اشرفی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ فرمایا: ''آپ میرے اباجی کے استاذ زادہ ہیں۔ میرے لیے بھی نہایت واجب الاحترام ہیں۔'' فرمایا: آخری ایام میں جب اباجی' ماڈل ٹاؤن میں مولانا اکرم صاحب کی کوٹھی میں مقیم تھے تو حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا خیر محمد جالندھریؒ شاہ جی کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ دورانِ گفتگو ان کے منہ سے بے خیالی میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ کی وفات کی بات نکل گئی۔ یہ بات ابا جی نے سن لی حالانکہ وہ کافی فاصلہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کو اشارے سے بلایا اور ایک کاغذ پنسل مانگی اور اس پر لکھا: ''یہ میرے استاذ تھے اور پھر بے اختیار اس طرح رونے لگے جیسے کوئی اپنے باپ کی وفات پر روتا ہے اور کافی دیر تک روتے رہے۔

کیا کیا سناؤں۔ بس اتنا کہتا ہوں کہ نبوت کے اصلی وارث تھے۔ ساری زندگی امتحانوں میں گزاری اور اللہ کے فضل سے تمام امتحانوں میں کامیاب و کامران ہوئے۔ پوری زندگی علمائے حق کا کردار ادا کیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ اجتماع نام ہے مختلف اینٹوں کے اجتماع اور اکٹھ کا۔ الگ الگ کسی اینٹ کا کوئی وجود نہیں لیکن جب وہ آپس میں مل جاتی ہیں تو پھر وہ ایک دیوار کی شکل میں متشکل ہوتی ہیں۔ اس لیے زندگی وہ ہے جو جماعتی ہو، انفرادی زندگی کوئی زندگی نہیں۔ قانون الٰہی کے مطابق مسلمانوں کی قومی زندگی اور عروج کا اصلی زمانہ وہ تھا جب ان کی قومی و انفرادی زندگی، مادی و معنوی اور اعتقادی و عملی زندگی پر اجتماع و اختلاف کی رحمت طاری تھی اور ان کے تنزل اور ادبار کی اصلی بنیاد اس روز پڑی جب ان پر اشتات و انتشار کی نحوست چھائی۔

سید عطاء المحسن بخاری نور اللہ مرقدہ جب حکیموں اور ڈاکٹروں کے علاج سے مایوس ہو گئے تو لاہور سے واپس ملتان تشریف لے گئے۔ دوست احباب عیادت کو آتے تو بجائے ان کے تسلی دینے کے' یہ ان آنے والوں کو تسلی دیتے۔ جوانی میں تھے تو صحت و شباب ان کی بلائیں لیتی۔ لیکن اب یہ خود اپنے زوال کی کہانی آنے والوں سے بیان کرتے:

وہ اٹھتا ہوا اک دھواں اوّل اوّل
وہ بجھتی سی چنگاریاں آخر آخر
قیامت کا طوفاں وہ صحرا میں اوّل
غبار رہِ کارواں آخر آخر

اب حالت یہ ہو گئی تھی کہ خود زندگی سے پوچھتے کہ:

زندگی تو ہی بتا کتنا سفر باقی ہے

آخر ۱۲ر نومبر ۱۹۹۹ء صبح ۹ بجے امیر شریعتؒ کی آنکھوں کا نور، دل کا سرور' اپنے دوستوں کے ہاتھوں میں اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو سدھار گیا اور دوستوں کو یہ پیغام دے گیا:

فضائے کنج قفس میں مجھے تلاش نہ کر
مسافروں کے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں

آپ کے انتقال کی خبر جونہی ملتان اور ملک کے دوسرے شہروں میں پہنچی' عشاق ہجوم در ہجوم آخری دیدار کے لیے آنسوؤں کا نذرانہ لے کر گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور حضور ختمی مرتبت ﷺ کا یہ شیدائی مسکراتا ہوا اپنے رب کے حضور پہنچ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرنا اس کا ہے کرے جس کا زمانہ غم
ورنہ دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

© rasailojaraid.com